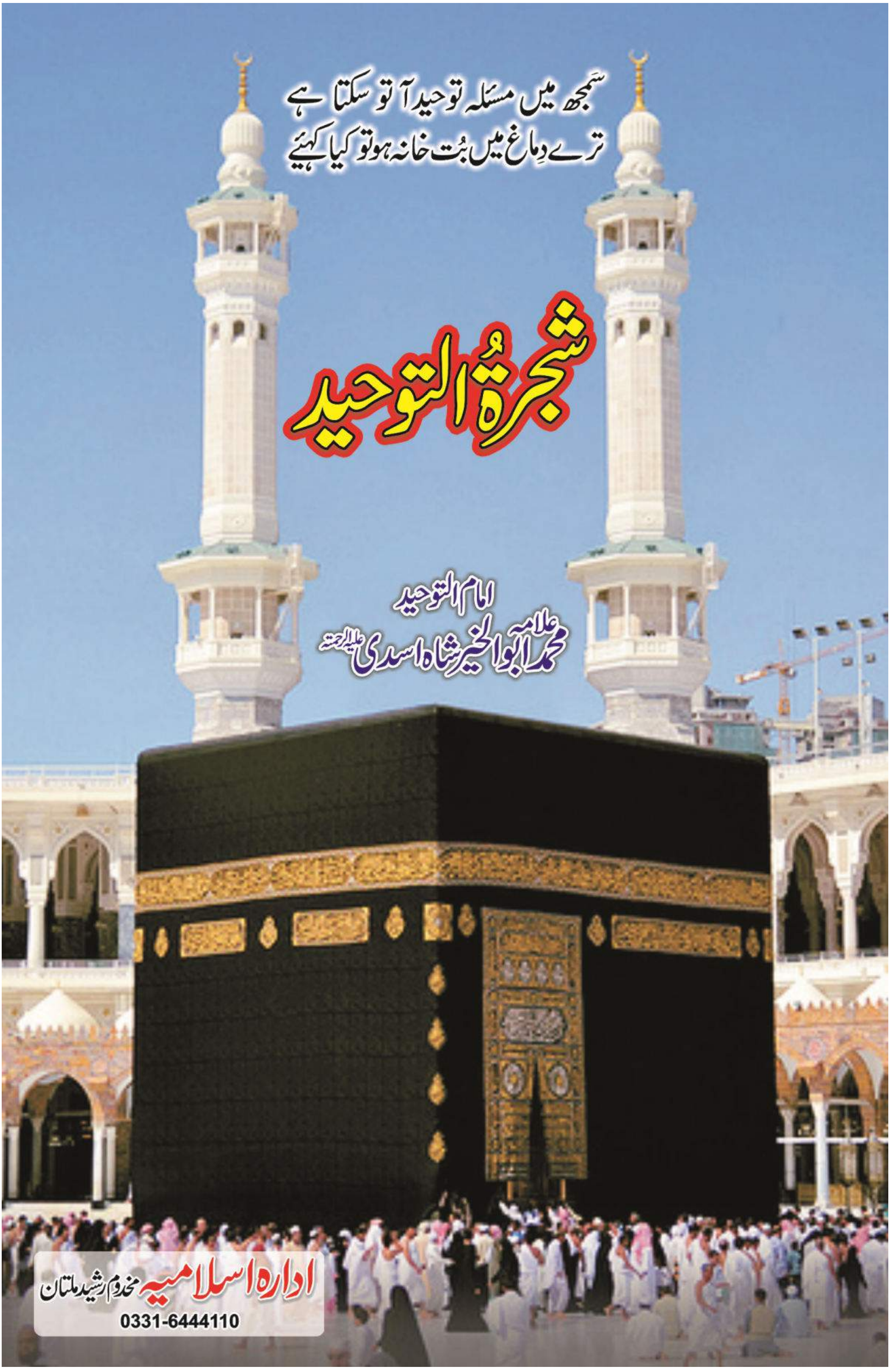


سمجھ میں مسئلہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیئے

شجرۃ التوحید

امام التوحید
علامہ محمد ابو الخیر شاہ اسدی علیہ الرحمۃ

ادارہ اسلامیہ مخدوم رشید ملتان
0331-6444110

سَمجھ میں مسئلہ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دِماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیئے

شجرۃُ التوحید

اِس رِسالہ میں تحقیق کی گئی ہے کہ قرآنِ حکیم میں کلمہ طیبہ کا صحیح مفہوم کیا ہے، افہام و تفہیم اِس قدر سہل ہے کہ سادہ سے سادہ مسلمان بھی کلمہ طیبہ کے حقائق کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

اَز قلم
علّامہ محمد ابوالخیر شاہ اسدی علیہ الرحمۃ

اِدارہ اِسلامیہ مخدوم رشید ملتان
0331-6444110 idaraislamia.com

فہرست مضامین

1. حرفِ اوّل	1
2. کائنات کی تخلیق اور اس کے نظام میں اللہ کا تصرُّف	2
3. اَنبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مِشن	18
4. شِرک کا نسب نامہ	20
5. قرآنِ مجید میں اِلٰہ کا حقیقی مفہوم	27
6. تصرُّفات کے ذریعے قرآنِ مجید میں کلمہ طیبہ کی تشریح	34
7. کلمہ طیبہ کا مفہوم اور آسان دَلیل	35
8. کلمہ طیبہ کی فرضیت اور تشریح	40
9. توحید کا خلاصہ	48

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

اِنسان جب قلبِ سلیم کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے تو اس کے وُجود سے کُفر و شِرک کے تمام اَثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کسی اِنسان کے عقیدے میں کچھ شِرکیہ اَثرات باقی رہ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ابھی تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے صحیح مفہوم کا اِدراک نہیں کر سکا۔ آئندہ صفحات میں تحقیق کی گئی ہے کہ قرآنِ مجید میں کلمہ طیبہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ آپ پہلے اس کا تدبُّر کے ساتھ مطالعہ کریں۔ پھر اپنے دِل کے دریچے میں جھانک کر دیکھیں کہ کہیں آپ کے عقیدے میں ابھی تک شِرک کے کچھ خفیف اَثرات تو نہیں پائے جاتے۔

اگر آپ نے خُلُوص سے کام لیا تو ہمیں پُوری اُمید ہے کہ قرآنِ مجید کے اِن حقائق سے آپ کلمہ طیبہ کا صحیح اِدراک کر سکیں گے۔

یہ دَور اپنے براھیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

کائنات کی تخلیق
اور اس کے نظام میں اللہ کا تصرُّف

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً۔ دنیا میں قدیم و جَدید جتنے شِرکیہ مذاہب پائے جاتے ہیں ان سب کا اس بات پر متفقہ اِعتقاد ہے کہ کائنات کی تخلیق سے قبل اللہ ﷻ کی ہستی بالکل یکتا تھی۔ جب اس نے تمام کائنات کو پیدا کیا تو اس تخلیق میں اس کے ساتھ کوئی دُوسرا شِریک نہ تھا۔ اس لیے جب اہلِ حق مُشرکین سے یہ سوال کرتے ہیں:۔

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾

" اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ "

﴿سورۃ العنکبوت: 61﴾

تو فوراً جواب دیتے ہیں:۔

﴿ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾

" تو وہ ضَرور بالضَرور کہہ دیں گے اللہ نے (پیدا کیا ہے)۔" ﴿سورۃ العنکبوت: 61﴾

حضراتِ گرامی ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس جواب میں اپنی طرف سے دِیانت داری اَور راست گوئی کیوں استعمال کرتے ہیں؟ وہ اس لیے کہ تخلیقِ کائنات کے وقت اللہ

تعالیٰ کے سِوا جَب کوئی دُوسرا موجود ہی نہ تھا تو وہ اپنے کِس معبود کا نام لیتے؟ اس لیے ان کو مجبوراً یہ اِقرار کرنا پڑا کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اکیلے ہی پیدا کیا ہے اس تخلیق میں اس کے ساتھ کوئی دُوسرا معبود شریک نہ تھا۔

جب کائنات کی تخلیق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے غیبی تصرّفات کے ساتھ تمام کائنات کے نظام کو چلانا شروع کر دیا، یہ نظام ایسے حُسنِ تدبیر کے ساتھ چل رہا تھا کہ اِنسان یہ نظام دیکھ کر حیران رہ گیا، موسموں کے تغیّرات، لَیل ونہار کی گردش، سُورج، چاند کا طُلُوع وغُروب، اِنسان کی موت وحیات کا تصرُّف وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایسے حیران کُن نظام تھے جب تک ان کے اُوپر کسی محرک ہستی کا تصرُّف نہ مانا جائے اِنسان کی عقل باور نہیں کر سکتی کہ یہ حیرت اَفزاء کارخانہ کسی غیبی طاقت کے بغیر کیسے چل رہا ہے۔ کائنات کے نظام پر جو ایک غیبی طاقت تصرُّف کر رہی تھی۔ اَب اِنسان نے اس کی کھوج لگانی شروع کر دی۔

اِنسان کی ذہنی کاوِشوں میں جس قدر اِستعداد موجود تھی اس کے تحت ہر ِگروہ نے اپنا اپنا کوئی نہ کوئی اِلٰہ اِختراع کر ہی لیا، چُوں کہ دنیا کے تمام مشرکین اور کُفّار پہلے یہ اِقرار کر چکے ہیں کہ اس کائنات کا خالق صِرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے انہوں نے جس قسم کے بھی اپنے معبود اِختراع کئے ان میں اس عقیدہ کو ضَرور ملحوظ رکھا کہ اَصل اور حقیقی اِلٰہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کائنات کو اس نے اکیلے پیدا کیا ہے لیکن پیدا کرنے کے بعد کائنات کے اِنتظامی اُمور میں ہمارے ان معبودوں کو شریک کر لیا ہے۔ کسی معبود کو بارش برسانے، کسی اِلٰہ کو اَولاد دینے اور کسی حضرت کو مصائب دُور کرنے کے تصرُّف سپرد کر دیئے ہیں۔

مُشرکین کہتے ہیں کہ اُن کے اس اِختیار کو ہم ان کا ذاتی تصرُّف نہیں کہتے بلکہ اسے عطائی تصرُّف کے عقیدے سے مَوصُوف کرتے ہیں وہ حقیقی اِلٰہ (اللہ ﷻ) جس نے پُوری کائنات کو پیدا کیا ہے، ہم نہ اسے کسی جگہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس کے پاس جا کر اپنے مقاصد اور دعاؤں کو بلا واسطہ پہنچا سکتے ہیں۔ یہ ہمارے معبود جنہیں اللہ کی طرف سے عطائی تصرُّفات کا مقام دیا گیا ہے، ان کا وُجود ہم حِساً اور عقلاً محسوس بھی کر سکتے ہیں اور ان کے پاس جا کر اپنے حالات بھی سُنا سکتے ہیں۔ اس لیے ہم ان معبودوں کے پاس جا کر اپنی فریادیں اور دَرخواستیں پیش کرتے ہیں۔

چُوں کہ اللہ ﷻ کے ساتھ انہیں ایک خُصوصی تقرُّب حاصل ہے، وہ ہمارے مصائب اور مقاصد سُن کر اس حقیقی اِلٰہ کی درگاہ میں پیش کر کے انہیں پُورا کرا لیتے ہیں۔ ۔۔۔ گویا ہم ان مقدّس ہستیوں کو اپنے اور اِلٰہِ حقیقی کے درمیان ایک واسطہ اور وسیلے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم حقیقی اِلٰہ کو چھوڑ کر ان کے آستانوں اور قبروں پر مصیبت کے وقت کیوں جاتے ہو؟

تو جواب میں کہتے ہیں:۔

﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾

" ہم اِن کی عبادت (پکار، دُعا، نذر و نیاز اور منّتیں وغیرہ) اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ " ﴿سورۃ الزمر: 3﴾

اور دُوسری جگہ ان کا یہ جواب مذکور ہے:۔

﴿ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾

" اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (مشکل کُشا، معبودانِ باطلہ) اللہ کے پاس ہماری سفارش کرتے ہیں(اور اپنی بات منواتے ہیں) ۔ " ﴿سورۃ یونس: 18﴾

پہلے جواب میں انہیں تقرُّب اور دُوسرے جواب میں انہیں توسُّل کا درجہ دیا گیاہے۔ مُشرکین کا یہ عقیدہ اگرچہ ان کی سادہ لَوحی کے مطابق اللہ ﷻ کے نزدیک ایک بڑا مقام رکھتاہے ، لیکن حقیقت میں اِس عقیدے کے تحت اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اور شریعت بالکل معطّل ہو کر رہ جاتی ہے، کیوں کہ اس عقیدے سے اللہ ﷻ کی درماندگی اور کمزوری ثابت ہو جاتی ہے کہ جو اللہ کائنات کو تو اکیلا پیدا کر سکتا ہے لیکن مخلوق کی حوائج پوری کرنے کے لیے جب تک دُوسروں کا توسُّل اور تعاوُن حاصل نہ کرلے اکیلا کسی کا مقصد پورا نہیں کر سکتا۔

شریعت اس عقیدے سے اس لیے معطّل ہو جاتی ہے کہ عبادت کا حق جس میں اللہ ﷻ دُوسرے کی شِرکت گوارا نہیں کرتے ،اس میں دُوسرے شریک ہو جائیں گے ۔ جیسے سجدہ کرنا اللہ کا حق ہے، مُشرکین جَب دُوسروں کو اپنا حاجَت رَوا بنالیں گے تو لامحالہ پھر ان کو سجدہ بھی کریں گے۔ جب سجدہ جیسی اَہم عبادت میں ان کو شریک کرلیں گے تو پھر شرعی اَحکام جو حَرام و حَلال سے تعلق رکھتے ہیں ان میں بھی یہ معبود شریک ہوجائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کہے گا یہ چیز حَرام ہے، ان کے اِلٰہ کہیں گے یہ حَلال ہے، ظاہر ہے کہ اس تصادُم سے شریعت کے تمام اَحکام معطّل ہو جائیں گے۔ پھر جب شریعت

کے اَحکام میں دُوسروں کو مُداخلت کرنے کا حق مِل گیا تو اِتنے اِلٰہوں کی پیروی میں حقیقی اِلٰہ کا نظامِ شریعت دنیا میں کیسے نافذ ہو سکتا ہے؟

غرض یہ کہ شِرک کی ترویج سے اللہ ﷻ کی اُلوہیت اور نظامِ شریعت دَرہَم بَرہَم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اَنبیاء علیہم السلام کی جماعت کو اس اَہم کام کے لیے مبعوث کیا تاکہ اِنسانوں کے سامنے مقامِ اُلوہیت اور نظامِ شریعت کی پُوری پُوری حقیقت کُھل کر سامنے آجائے۔ اس سِلسلے میں اَنبیاء علیہم السلام پر جِتنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے ان میں بنیادی مقصد یہی رکھا گیا کہ اِنسانوں کو پہلے مقامِ اُلوہیت کی تشریح سمجھائیں، جب وہ یہ عقیدہ تسلیم کر لیں پھر انہیں اعمالِ صالحہ کی طرف دعوت دے کر نظامِ شریعت کے تحت پابند کریں۔

قرآنِ حکیم میں بعثتِ اَنبیاء علیہم السلام کے بنیادی مقصد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

" اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سِوا کسی دُوسرے کو اِلٰہ نہ مانیں پس میری ہی عبادت کیا کریں۔ " ﴿سورۃ الانبیاء: 25﴾

اَنبیاء علیہم السلام کی جماعت کو مقامِ اُلوہیت کی تشریح کے لیے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اُلوہی حاکمیت کا صحیح تصوُّر ہر اِنسان کے ذہن پر اچھی

طرح جَم جائے ورنہ اس کی عقل پر ہَویٰ(خواہش) کا معبود مسلّط ہو جائے گا۔اِنسان کی زندگی کی باگ ڈور جب اس کی خواہش کے ماتحت ہو جاتی ہے تو پھر اس کے اندر جو اَعلیٰ قسم کی صلاحیت کے جوہر مَوجود ہوتے ہیں، جن سے وہ بڑے بڑے کمالات پر فائز ہو سکتا ہے، خواہش انہیں معطّل کر کے شَر اور فساد کے مادہ میں تبدیل کر دیتی ہے جِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کائنات میں اُن کی شَر اَنگیزیوں اور فتنہ پروریوں سے اَمن واَمان تباہ ہو جاتا ہے۔ اور اِنسانیت کو سُکون نہ ملنے پر آسمان کے نیچے اس کا عرصہِ حیات تنگ ہو جاتا ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ اِنسان جب تک لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے صحیح مفہوم کو سمجھ نہ لے تا اَبد ہلاکت کی وادی سے نَجات حاصل نہیں کر سکتا۔ قرآنِ حکیم جس کے نُزول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بھٹکی ہوئی اِنسانیت کو رُشد و ہدایت سے آراستہ کرے اس میں لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی تشریح کو فِطری اُصُولوں کے تحت بڑے آسان طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔بشرطے کہ اِنسان پہلے اپنے ذہن سے ہر قسم کے خارجی اور داخلی اَوہام کو خارج نہ کر دے۔

شاعرِ مَشرق علّامہ محمد اِقبال اِسی طرف اِشارہ کرتے ہیں:۔

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دِماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہئے

لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے جملے میں فہم کے اِعتبار سے سب سے زیادہ مشکل لفظ اِلٰہ

ہے۔ مُشکل اس لیے کہ اِس کے اِرد گرد لاکھوں جُھوٹے اِلٰہوں کا ایک لشکر پھیلا ہُوا ہے، ان کے باطل تصرّفات کو اِتنی شہرت دی گئی ہے کہ عوام کے اَذہان اُن کے اَثرات سے مجروح ہو چکے ہیں۔ قرآنِ حکیم نے اس کا ایک آسان عِلاج یہ تجویز کیا ہے کہ پہلے آپ لَا کی تلوار سے ان تمام باطل اِلٰہوں کے تصرّفات کو پاش پاش کر دیں یعنی اللہ ﷻ کے سِوا کسی دُوسری مقدّس ہستی کی اُلُوہیت کا اِقرار نہ کیا جائے تو پھر اِلٰہ کا سمجھنا اِتنا آسان تر ہے کہ سادہ سے سادہ اِنسان بھی مقامِ اُلُوہیت کا جلدی اِدراک کر لیتا ہے۔

قرآنِ حکیم نے لفظ اِلٰہ کی اِتنی آسان تشریح کی ہے کہ جَیسے کِسی سے پوچھا جائے کہ دو اور دو مِل کر کتنے ہوتے ہیں تو وہ فوراً جواب دے گا چار ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ آسان تَر کر کے سمجھائی گئی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہر اِنسان اللہ تعالیٰ کی اُلُوہیت کو سمجھ کر شریعت کے مطابق اپنی صحیح زندگی گزار سکے اور اس کے نتیجے میں اَبدی ہلاکت سے بَچ جائے۔ اَب دیکھئے کہ قرآنِ حکیم اِلٰہ کے مفہوم کو کیسے آسان اور حکیمانہ اَنداز میں کتنی سادگی کے ساتھ ہمیں سمجھا رہا ہے۔

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ دُنیا کے تمام مُشرکین سے اگر یہ پُوچھا جائے بھلا یہ تو بتلایئے کہ اس کائنات کا خالق کون ہے؟ تو وہ سب کے سب بِالاتفاق جواب دیتے ہیں کہ کائنات کو پیدا کرنے والا اکیلا اللہ ہے۔

پھر انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ جس طرح اللہ ﷻ تمام کائنات کو اکیلا پیدا کر سکتا ہے اسی طرح وہ اس کائنات کے نظام کو بھی اکیلا چلا سکتا ہے۔ مگر اس بات پر مُشرکین تعجب میں پڑ جاتے ہیں کہ اِتنی وسیع و عریض کائنات کا نظام جسے ہمارے عقائد

کے مطابق ہمارے متعدّد اِلٰہ چلا رہے ہیں ایسی بھاری ذِمہ داری کو اکیلا اِلٰہ کیسے چلا سکتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ان کے اس تردُّد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵

" (اس رسول کی جرأت دیکھئے) کہ اِتنے اِلٰہوں کی جگہ (کائنات کے تمام اُمور کی ذمہ داری) ایک اِلٰہ کے سپرد کر رہا ہے۔ واقعی یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ "

﴿سورۃ ص:5﴾

آخرت میں ان مُشرکین کو اسی تردُّد اور تذَبذُب پر ملامت کی جائے گی۔

اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ

" جب تنہا اللہ کی (وحدانیّت و اُلوہیّت) کو بیان کیا جاتا تھا تو تم اِنکار کر دیتے تھے۔ اگر اس معاملے میں دُوسروں کو شریک کیا جاتا تو تم (بڑی خوشی) سے مان لیتے تھے۔

﴿سورۃ المؤمن: 12﴾

ان کا یہ تعجب صِرف تذَبذُب تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ تعجب انہیں تمرُّد اَور سرکشی پر آمادہ کر دیتا ہے۔

اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵ۙ

" جب انہیں یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سِوا دُوسرا کوئی اُلوہیت کا مقام نہیں رکھتا تو وہ یہ بات سُن کر رسولوں کے سامنے اکڑ جاتے ہیں۔ "

﴿سورۃ الصّافات:35﴾

اَب قرآنِ مجید کا مطالعہ کیجئے کہ مُشر کین کے ان تمام شُبہات کا قرآنِ کریم کس طرح سادہ دَلائل کے ساتھ نفیس جواب دے رہا ہے۔ اِن دلائل کے بعد اگر کسی کی عقل اور فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو تو اس جواب سے توحید پر ہر قسم کے شُکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ہاں جس کے ذہن میں حَسَد اور عصبیت کے جراثیم پرورش پا رہے ہوں ان کا علاج قرآنِ کریم کے پاس بھی نہیں۔ اَب قرآنِ حکیم کے دلائل سنئے!

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

" یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے کائنات کا خالق ہونا اور اس کے نظام کا حاکم ہونا۔وہ اللہ تمام خوبیوں کا مالک ہے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔"

﴿سورۃ الأعراف: 54﴾

اس آیت میں صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ جو اللہ کائنات کو پیدا کر سکتا ہے وہ پیدا کرنے کے بعد اس کے نظام کو بھی اکیلا چلا سکتا ہے،کائنات کو پیدا کرنا جو ایک بڑا اَہم اور مشکل کام ہے جب وہ دُوسرے اِلٰہوں کے تعاوُن کے بغیر اکیلا تخلیق کر سکتا ہے،تو کائنات کا نظام چلانا جو اس کی تخلیق سے زیادہ آسان تر ہے اسے وہ اکیلا کیوں نہیں چلا سکتا؟ جیسے کوئی کہے کہ فلاں انجینئر نے کمپیوٹر ایجاد کیا ہے لیکن جب تک وہ دُوسروں کو شامل نہ کر لے،اکیلا کمپیوٹر کو چلا نہیں سکتا۔کتنی احمقانہ بات ہے ۔

اَب قرآنِ مجید کی دوسری دَلیل سنئے:۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۡ وَّهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾

" ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی ہے ہر چیز کا نگہبان اور کار ساز۔ "

﴿سورۃ الزمر:62﴾

اس آیت میں پہلی آیت سے بھی زیادہ سَہل اور آسان دلیل کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ کائنات کے اندر جتنی چیزیں اور جس قدر مخلوق موجود ہے سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اب ان چیزوں میں سے اگر کسی چیز میں جب بِگاڑ پیدا ہو گا تو اس بِگاڑ کی بھی خالق ہی درستی کر سکتا ہے۔

مثلاً آنکھ کے سفید چمڑے پر ایک سیاہ داغ لگا کر جو اللہ تعالیٰ اس میں بَصارت کا نُور پیدا کر سکتا ہے۔ اگر اللہ ﷻ اس بَصارت کو ختم کر دے تو دُنیا میں کسی مقرّب ہستی کو بھی اِختیار نہیں ہے کہ اس بَصارت کو دَوبارہ آنکھ کے چمڑے پر نُمایاں کر سکے۔ اس میں وضاحت کی گئی ہے کہ جب یہ مخلوق کائنات کی اَدنیٰ چیز بھی پیدا نہیں کر سکتی تو وہ اس کے بگاڑ کی درستی کیسے کر سکتی ہے۔

قرآنِ مجید میں ایک جگہ ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ اعلان کیا گیا ہے کہ:۔

مُشرکین کے تمام معبود اگر مِل کر زور لگائیں تو وہ مکھّی جیسی حقیر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے، مکھی کے جَسَد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ چند مختصر اَجزاء کا مجموعہ ہے، اگر ان چیزوں کا مجموعہ ان معبودوں کے حوالے کر کے انہیں کہا جائے کہ مکھّی کے اِن اَجزاء کو جمع کر کے زِندہ مکھّی کا ڈھانچہ تیار کر دو تو ان میں اِتنی قدرت بھی نہیں کہ وہ مکھّی کے متفرق اَجزاء کو جمع کر کے اس کا ڈھانچہ تیار کر سکیں۔ جب یہ تمام معبود اِتنا اَدنیٰ سا کام بھی نہیں کر سکتے، تو وہ کائنات کے نظام میں بڑے بڑے کاموں میں کیسے تصرُّف

کر سکتے ہیں۔۔۔ ایسے مضبوط دَلائل کے بعد مُشرکین جب جواب دینے سے عاجز ہو گئے تو پھر وہ اِنتہائی درجے کی بیو قوفی پر اُتر آئے۔

اَنبیاء علیہم السلام کو کہنے لگے کہ ہم آپ لوگوں کے ان صحیح دلائل کو اس لیے نہیں مانتے کہ ہمارے باپ دادا کا بھی یہ مسلک تھا کہ شِرک کی تردید میں اگرچہ کتنے ہی مضبوط دَلائل سامنے آجائیں انہیں بالکل قَبول نہ کیا جائے۔اَب ہم باپ دادا کے مسلک پر عمل کریں یا آپ لوگوں کے اِن مضبوط دَلائل کو مان لیں۔

کسی فعل کے جواز میں یہ کہہ دینا کہ یہ کام میری ماں کرتی تھی یا باپ، اِنتہائی درجے کا ایک خسیس جواب ہے۔عدالت میں اگر کسی چور سے پوچھا جائے کہ تُو نے یہ چوری کیوں کی ہے؟ وہ جواب میں کہے جناب یہ چوری میں نے اس لیے کی ہے کہ میرا باپ بھی چوری کیا کرتا تھا اس لیے چوری کرنا جائز ہے،جب کوئی تیری تردید کرے تو کہنا کہ میں باپ کے مسلک کو نہیں چھوڑ سکتا۔آپ بتلایئے دنیا کے کسی ملک کی عدلیہ میں کوئی ایسی تعزیر موجود ہے جو چور کی اس دَلیل کو قَبول کر کے اسے چوری کی سزا سے بَری کر دے بلکہ اس کی سزا یہ ہے کہ چوری کی سزا کے علاوہ اسے پاگل خانے میں بھی داخل کیا جائے۔

آپ نے دیکھ لیا جب باپ کی تقلید چوری کے جواز کی دَلیل نہیں بن سکتی تو شِرک کے جواز میں باپ دادا کی تقلید کو کیسے قَبول کیا جا سکتا ہے؟ مُشرکین کا دُوسرا جواب ان کے خسیس تجربات ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اپنے پیروں اور معبودوں کو مصائب میں پکارتے ہیں تو پھر ہمارے کام پُورے کیوں ہو جاتے ہیں؟ اگر اِختصار

مطلوب نہ ہوتا تو ہم زیادہ دَلائل سے ان اِشکال کا قلع قمع کر دیتے یہاں صرف ایک دو باتوں پر اِکتفا کرتے ہیں۔

کائنات کے نِظام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک قانون مُدوَّن کر کے اسے محفوظ کر لیا ہے اس کا نام ہے " تقدیر کا قانون"۔ تقدیر کا عام فہم معنی یہ ہے " اللہ تعالیٰ کی تدبیروں کے اَنداز کا نظام " اَب تقدیر کے نظام کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے :۔

ایک آدمی نے شادی کی ہے تقدیر کے قانون میں لکھ دیا گیا ہے کہ شادی کے دس سال بعد اس کا لڑکا پیدا ہو گا اور پیدا ہونے کے بعد وہ دس برس کے بعد مَر جائے گا یعنی اس لڑکے کی موت وحیات کی اِبتداء اور اِنتہا کو مخصوص وقت اور مُعَیَّن عرصے کے لیے تقدیر میں مُقیَّد کر دیا گیا ہے۔ اس قانون میں کسی کو تصرُّف کرنے کا بالکل اِختیار نہیں دیا گیا لیکن شادی کے بعد عورت اور مرد اَولاد کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔ عِلاج مُعالَجے کے بعد وہ بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ اَب وہ مَزاروں اور پیروں کے پاس جانا شروع کر دیتے ہیں۔ دس سال کے بعد ایک پیر کی مَنَّت مانتے ہیں کہ اگر یہ پیر اپنے تصرُّف سے ہمیں ایک لڑکا دِلا دے تو ہم سب مَنَّت کے مُعاوَضے میں اِس اِس قدر اَشیاء بطور نذرانہ پیش کریں گے۔ اِس سال جو تقدیر کے قانون میں لڑکا پیدا ہونا پہلے مقرّر ہو چکا تھا اب پیدا ہو گیا۔ چُوں کہ تقدیر کے آخری فعل کے ساتھ ان کی مَنَّت مُطابقت کر گئی تھی اس لیے وہ عقیدۃً یہ سمجھنے لگے کہ اگر ہم مَنَّت نہ مانتے تو لڑکا پیدا نہ ہوتا۔ یہی بات بطور دَلیل ہندو بھی پیش کرتے ہیں۔ لڑکے کی تخلیق میں جو اللہ تعالیٰ کا تصرُّف کار فرما تھا اس پر مَنَّت کی وجہ سے یکسر پردہ ڈال دیا گیا، بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کے والدین نے درازیِ عمر کے لیے پھر مَنّتیں ماننی شروع کر دیں ، تقدیر کے تصرُّف سے وہ

بچہ دس سال کے بعد مَر گیا اَب وہ بچے کی مَوت کا سبب تلاش کرنے لگ گئے چُوں کہ ان کے عقیدے اور ذہن پر شِرک پہلے ہی مسلط ہو چکا تھا، سوچتے سوچتے آخر انہوں نے یہ سبب تلاش کر لیا، چُوں کہ پِیر کی مَنّت میں فُلاں درجے کی کوتاہی ہو گئی تھی اس لیے اس کوتاہی کی پاداش میں بزرگ نے ناراض ہو کر وہ بچہ ہم سے چھین لیا۔ تلافیِ مافات کے لیے وہ دَوبارہ سنبھل گئے کہ آئندہ ایسی کوتاہی کا اِرتکاب ہرگز نہیں کریں گے۔

بچے کی مَوت اور پیدائش کے وقت چُوں کہ ان کے خیال میں ان کا شِرکیہ عقیدہ تصرُّف کر رہا تھا اس لیے وہ اِن دونوں فعلوں میں اللہ تعالیٰ کے تصرُّف کا اِدراک نہ کر سکے۔

جیسے قدرت کے فِطری نظام میں یہ قانون مقرر کر دیا گیا ہے کہ منگل کے بعد بدھ کا دِن طُلُوع ہو گا۔ اگر کوئی مجہول منگل کی رات کو کسی پِیر کو پکارے کہ یا پِیر صبح کو بدھ کا دن بنا دے پھر بدھ کے دن شور مچانے لگے دیکھئے رات کو میں نے فلاں حضرت صاحب کو پکارا تھا کہ صبح کو بُدھ بنا دے، دیکھئے ہمارے حضرت کے تصرُّف سے آج کیسے بدھ بن گیا ہے، کیا سب لوگ بدھ کے دن اسے بُدھو نہ کہیں گے؟

جس طرح منگل کے بعد بدھ کا طُلُوع ہونا قدرت کی طرف سے پہلے مقرّر کر دیا گیا تھا، اسی طرح اَولاد کا پیدا ہونا یا مَرنا بھی پہلے مقدّر کر دیا گیا ہے جیسے بدھو خان کی دُعا منگل کے بعد بدھ کا ظہور نہیں کر سکتی، اسی طرح کسی کی مَنّت یا پِیر کا تصرُّف اَولاد کی موت وحیات میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

ایک دُوسری مثال بھی سمجھ لیجئے تاکہ شِرک کے نظریات کا اچھی طرح قلع قمع

ہو جائے:۔

کولمبس جو ایک مشہور سَیّاح تھا جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اُس نے سَب سے پہلے امریکہ کو دریافت کیا تھا، اس کے حالات میں لکھا ہے کہ اسے ملکوں کی دریافت کے لیے سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ اس دَور میں بادبانی کشتیوں کے ذریعے سفر کیا جاتا تھا۔ سمندر میں جب طوفان آتا تو ایسی کشتیاں اُلٹ کر ہلاک ہو جاتیں ۔ اس خطرے کے تحت کولمبس کے ساتھ کوئی بھی سفر کرنے کو جلدی تیار نہ ہوتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ ایک طویل سفر کا پروگرام بنایا۔ وہ ایک جزیرے کے مَلّاحوں کو اس سفر کے لیے بڑے بڑے مُعاوَضے دے کر ترغیب دینے لگا لیکن وہ مَلّاح اس طویل سفر کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے۔ اِتفاق سے اُس رات کو چاند گرہن ہونا تھا۔ جزیرے کے لوگ بالکل جاہل تھے۔ کولمبس کو چاند گرہن اور سورج گرہن کے اَوقات معلوم تھے۔ اس نے مَلّاحوں کو کہا کہ اگر تم میرے ساتھ تیار نہ ہوئے تو میں آج رات چاند کو حکم دُوں گا کہ وہ تم پر گِر کر تمہیں تباہ کر دے گا۔ انہوں نے پہلے تو اسے مذاق سمجھا لیکن رات کو جب چاند کا گرہن شروع ہو گیا تو وہ لوگ ڈر گئے، معافی مانگ کر کولمبس کے ساتھ تیار ہو گئے۔

چاند گرہن کا عمل پہلے بھی ہوا کرتا تھا لیکن کولمبس نے جب اس گرہن کا وقت انہیں پہلے بتلا دیا تو وہ عقیدۃً یہ سمجھنے لگے کہ آج رات جو چاند پر گرہن کا ظہور ہُوا ہے وہ اَصل میں اسی کولمبس کا تصرُّف ہے، اس کے بعد وہ لوگ تیار بھی ہو گئے اور ساتھ ہی کولمبس کو ایک بڑا صاحِبِ تصرُّف بزرگ واَوتار بھی ماننے لگ گئے۔

اس مثال پر کچھ حاشیہ آرائی کی ضرورت نہیں بلکہ عقل کے دریچے میں جھانک

کر دیکھئے کہ اُلجھن کے کانٹے کچھ نکل گئے ہیں یا ابھی تک کچھ خَراش کر رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ ایسی مثالیں تو ہر ایک اِختراع کر سکتا ہے تو آیئے ہم قرآنِ مجید کے حقائق کو بَطور مثال کے آپ کی خدمت میں حاضر کر دیتے ہیں۔ اِس کے بعد بھی آپ کے ذہن میں شِرک کے کانٹے اگر خراش کرتے رہیں تو آپ کی اس مکروہ عقیدت کو کون بُرا کہہ سکتا ہے؟

قرآنِ حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ہُود علیہ السلام کو عاد کی قوم سے اِنتخاب کر کے انہیں ایک عظیم رسول بنایا۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے سامنے توحید کی تبلیغ شروع کی تو وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ ایسی بہکی باتیں کرتا ہے جنہیں نہ عقل قبول کرتی ہے اور نہ یہ باتیں ہم نے اپنے باپ دادا سے کبھی سنی تھیں۔ وہ سوچنے لگے، سیدنا ہُود علیہ السلام پہلے ایک اچھے آدمی اور بڑے عقل مَند معلوم ہوتے تھے خُدا معلوم کہ یک لخت انہیں کیا ہو گیا ہے کہ مخبوط باتیں کرنے لگ گئے ہیں۔ آخر سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کا بار بار یہ کہنا کہ تمہارے پیر اور اَوتار نہ مصائب دُور کر سکتے ہیں نہ کسی کو نفع اور ضَرر پہنچا سکتے ہیں یقیناً اس کی یہ بات ہمارے پیروں اور اَوتاروں کی توہین کے مُترادف ہے۔ جو شخص ان کی ایسی توہین کرے گا لازماً ہمارے معبود ناراض ہو کر اسے کسی نہ کسی عذاب میں ضَرور گرفتار کر دیں گے۔ اس خَدشے کے تحت عاد کی قوم نے سیدنا ہُود علیہ السلام کو اس طرح جواب دیا۔

اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَ
اشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۙ﴿۵۴﴾

" اَے ہُود ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے، ہُود نے فرمایا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں تمہاری اِن شِرکیہ باتوں سے بیزار ہوں ۔ " ﴿سورۃ ہود:54﴾

سیدنا ہُود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا تھا اور وہ جو باتیں کرتے تھے وہ سب اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہوتی تھیں لیکن عاد کی قوم نے ان کی رسالت اور وحی کو یہ سمجھا کہ ان کی عقل کو کوئی خرابی لاحق ہو گئی ہے، اس لیے یہ بہکی بہکی باتیں اور مخبوط قسم کے دلائل بیان کرتا ہے۔انہوں نے اپنے عقائد کے مطابق اس کی وجہ یہ تلاش کی کہ ہمارے معبودوں نے تصرُّف کر کے اُن کی عقل اور فہم کو مخبوط بنا دیا ہے۔
اب آپ اِنصاف کریں کہ سیدنا ہُود علیہ السلام پر وَحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تصرُّف کام کر رہا تھا یا عاد کے معبودوں کی بد دُعا اَثر کر رہی تھی۔ چُوں کہ عاد کی قوم شِرکیہ عقیدے کی وجہ سے اپنے مشائخ اور اَوتاروں کے تصرُّف کی قائل تھی اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ کے ہر تصرُّف میں اپنے معبودوں کا تصرُّف سامنے نظر آتا تھا۔ اس دَور کے اہلِ شِرک کا بھی یہی شیوہ ہے کہ کائنات کے نِظام میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا تصرُّف ظاہر ہوتا ہے وہ اس تصرُّف کو کسی نہ کسی بزرگ ہستی کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اَنبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مِشن

اَنبیاء علیہم السلام کی ایک کثیر جماعت کو مخلوق کی طرف مبعوث کرنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ کائنات کے اندر اِنسانوں کو اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت سے متعارف کرا سکیں۔ اگر اِنسانوں نے کائنات کے حقیقی خالق اور مُدبّر کا صحیح اِدراک نہ کیا تو وہ اپنی ناقص عقل کے ذریعے جو بھی ان کے فہم میں آئے گا اُسے اپنا معبود بنالیں گے۔ اس کی نظیر آپ نے اس دَور میں بھی مُشاہدہ کرلی ہے جن اِنسانوں کو حقیقی اِلٰہ کا اِدراک نہیں ہو سکا۔ وہ کیسی کیسی خسیس چیزوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہیں۔

عام لکڑی تو اِیندھن کا کام دیتی ہے لیکن ہمارے ملک میں پِیلو کے ایسے درخت جو بزرگوں کی طرف منسوب ہیں ان کے اِتنے پُجاری موجود ہیں۔ اگر ان درختوں کی شاخوں اور پتوں کو شمار کیا جائے تو یہ پُجاری ان سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائیں گے۔ دیکھئے اِنسان ایک قیمتی جان رکھتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں تھا کہ ایسا قیمتی اِنسان ایک خسیس درخت کو معبود بنا کر جہنم میں چلا جائے۔ اس پر رحمتِ الٰہی کو جوش آیا اِس لیے اس نے ہماری طرف اپنے رسول بھیج دیئے تاکہ اِنسان اَبدی ہلاکت سے ہمیشہ کے لیے بچ جائیں۔

دیکھئے اس آیت میں رحمتِ الٰہی کے اِرادے اور بعثتِ نبوی ﷺ کے مقصد کو کس خوبی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾ ﴾

"جب ہمارا کائنات کے اِنسانوں پر رحمت کرنے کا اِرادہ ہُوا تو ہم نے توحید کی تبلیغ کے لیے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیج دیا۔" ﴿سورۃ الانبیاء:107﴾

اِس آیت کا صحیح مفہوم یہی ہے جو ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔ اِس مفہوم سے ہَٹ کر اگر کوئی دُوسرا مفہوم اَخذ کیا جائے تو قرآنِ مجید کی صریح تحریف ہے۔ اَنبیاء علیہم السلام کی بِعثت کے بنیادی مقاصد کو اس دُوسری آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے جو اُوپر کی آیت کے ساتھ معنوی تطبیق رکھتے ہوئے ایک دُوسرے کی شرح کر رہی ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِيۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾

" اے نبی ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا کہ جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سِوا کوئی اِلٰہ ہونے کے لائق نہیں پس میری ہی عبادت کیا کرو۔" ﴿سورۃ الانبیاء: 25﴾

اِن آیات کے مفہوم سے معلوم ہُوا کہ تمام اَنبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہی ہے کہ کائنات کے بھٹکے ہوئے اِنسانوں کو لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے حقائق سے آگاہ کر دیا جائے۔ جب تمام اَنبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد توحید کی تبلیغ کرنا ہے تو نبیِ اکرم ﷺ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ کہ کائنات میں

بسنے والے تمام اِنسانوں کو اِلٰہِ حقیقی کی اُلوہیت سے متعارف کرا سکیں۔ جب اِنسان نبیِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کو قبول کر لیں گے تو اَبدی عذاب سے بچ کر ہمیشہ کے لیے جوارِ رحمت میں زندگی گزار سکیں گے۔

اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۶﴾

"(جو لوگ اللہ کی اُلوہیت کا اِقرار اور عمل صالح کریں گے دنیا اور آخرت میں) یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت ان نیکوکاروں کے ساتھ رہے گی۔" ﴿سورۃ الاعراف:56﴾

شِرک کا نسب نامہ

کسی جِنس کا جب کسی دُوسری جِنس کے ساتھ تعلق جوڑا جاتا ہے تو اس میں باہمی رَبط کے تناسب کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ جیسے عدد میں عدد تو جمع ہو سکتا ہے عدد کے ساتھ الفاظ جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اِنسان کا اِنسان کے ساتھ باہمی رشتہ تو قائم ہو سکتا ہے لیکن اِنسان اور درخت کے درمیان رشتے کا تناسب صحیح نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی یُوں کہے کہ کھجور کا درخت فُلاں آدمی کا باپ ہے یا فُلاں آدمی آم کے درخت کا بھائی ہے یا فُلاں آدمی کسی فرشتے کا رشتہ دار ہے تو ایسا کہنے والے کو ہم اِنتہائی درجے کا احمق کہیں گے۔

اب آیئے مشرکین کے اَحمقانہ عقائد کا حال سنئے جِن میں انہوں نے اِلٰہِ حقیقی کے ساتھ اپنے معبودوں کی رِشتہ داریاں اُستوار کر رکھی ہیں۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ہمارے معبود تو مخلوق کی جنس سے تعلق رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات کسی مخلوق کے ساتھ تعلق کے لحاظ سے پیوست نہیں ہو سکتی، اب ان کے مابین تعلق کس رشتے سے ثابت کیا جائے جس سے ہم ظاہر کر سکیں کہ ہمارے معبود یا تو اللہ کا جزو ہیں یا اس میں حلُول کر کے وہ عَینِ اللہ بن جاتے ہیں۔ مُشرکین اَب بڑے پریشان تھے کہ اللہ کو تو اللہ کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ کے جزو کو ہم کس نام سے مَوصُوف کریں تا کہ ان میں بھی شانِ اُلوہیت جلوہ گر ہو سکے، جھوٹ کے پاؤں تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ آخر کار انہوں نے ہاتھ پاؤں مار کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معبودوں کی کچھ نہ کچھ رِشتہ داریوں کا تناسب قائم کر ہی لیا۔

قرآنِ مجید میں ان رشتہ داریوں کی اِس طرح نشاندہی کی گئی ہے۔

نمبر:۱

جو مُشرکین جِنّات کی پرستش کرتے تھے اور انہیں اپنے حَوائج اور مصائب میں پکار کر ان سے مدد طلب کرتے تھے۔ جب اُن سے پُوچھا جاتا ہے کہ یہ جِنّات جو تمہارے معبود ہیں اللہ کے نزدیک ان کا کیا مقام ہے؟ وہ کہتے ہیں اللہ اور جِنّات کا نسبی خاندان ایک ہی ہے اس لیے یہ اللہ کے رشتہ دار ہیں۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا

" اورانہوں (جنّات کے پجاریوں) نے اللہ تعالیٰ اور جنّات کے درمیان رشتہ داری کا تعلق قائم کرر کھا ہے " ﴿سورۃ الصافات:158﴾

جِنَّات کی تعداد تو شمار میں بھی نہیں آسکتی، اِتنے رشتہ داروں میں کسی مخصوص رشتہ کی تعیین مشکل ہے۔ اس لیے اس وسیع رِشتہ داری میں تمام رشتوں کی قسمیں داخل ہو سکتی ہیں۔ جیسے بہن ، بھائی ، بیٹا ، بیٹی کے علاوہ سسرال ، ننھیال کے رشتے بھی متعین ہو سکتے ہیں۔(اَعاذَنَا اللّٰہُ مِنہُ)

نمبر:۲

جو مُشرکین فرشتوں کو اپنا حاجَت رَوا سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے ان سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تمہارے معبود اللہ کے ساتھ کس قسم کا تعلق رکھتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں خیر سے یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اللہ کے بیٹے تو پیدا نہ ہوئے اگر کچھ ہوئے تھے تو دودھ پیتے ہی مر گئے۔ (نعوذ باللہ)

﴿ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ﴾

" اور (مُشرکین نے) فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی محض غلامی کرتے ہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دے رکھا ہے۔" ﴿سورۃ الزخرف: 19﴾

اللہ تعالیٰ نے ایسے عقیدے والوں کی ملامت بھی کی ہے کہ جب ملائکہ پیدا ہوئے تھے کیا تم اس وقت موجود تھے یا تمہیں کیسے پتہ چل گیا ہے کہ فرشتے تولید کے وقت مونّث پیدا ہوئے۔

عرب کے مشرکین ایک مجہول غیرت کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ہمارا دَرجہ تمہاری غیرت سے بھی گِرا ہوا ہے کہ تم لوگ تو اپنے لیے لڑکیوں کا وُجود بھی برداشت نہیں کر سکتے لیکن ہمارے لیے ایک دو بھی نہیں بلکہ کروڑوں فرشتوں کو ہماری لڑکیوں کا مقام دے رکھا ہے؟

اس سے معلوم ہُوا کہ مُشرکین جس طرح بے عقل ہوتے ہیں، اس سے زیادہ عقیدہ کے لحاظ سے بے غیرت بھی ہوتے ہیں۔

نمبر:۳

یہود و نَصاریٰ سیدنا عُزیر علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام و مریم علیہا السلام کو اپنا اِلٰہ مانتے ہیں۔ جب اُن سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ آپ کے اِلٰہ خیر سے اللہ کے نزدیک کیا مقام رکھتے ہیں؟ تو چُوں کہ یہ اہلِ کتاب اور پڑھے لکھے لوگ تھے اس لیے یہ لوگ مشرکین سے چار قدم آگے نکل گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور مریم علیہا السلام کا مقام اللہ کے نزدیک ایسا ہے جیسا خاوند کے گھر میں بیوی کا اختیار ہوتا ہے۔ اور کبھی اس سے بھی زیادہ تجاوز کر کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو عینُ اللہ کا مقام دیتے ہیں۔ جب ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ تم لوگ جب ان اِلٰہوں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہو، آخر تم بھی اللہ کے نزدیک کوئی نہ کوئی مقام ضَرور رکھتے ہو گے؟ تو وہ اُچھل کر کہتے ہیں جناب ہمارے مقام کا کیا پوچھتے ہو:۔

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ

" ہم رشتے میں اللہ تعالیٰ کے پوتے پلوتے بھی ہیں اور ساتھ ہی اس کے محبوب بھی"

﴿سورۃ المائدۃ: 18﴾

اس رشتے سے ان کا مقصود یہ تھا جو کسی کا نسباً بیٹا یا پوتا ہوتا ہے، وہ اسے طبعاً پیارا بھی ہوتا ہے۔ کیا باپ برداشت کر سکتا ہے کہ اپنی پیاری اَولاد کو جہنّم میں جھونک دے اس لیے نہ ہم بڑے بڑے اعمال کے مکلّف ہیں اور نہ گناہوں کے اِرتکاب سے جہنّم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نمبر: ۴

جو مُشرکین اَولیاءِ کرام اور عُلَماءِ عُظام کی پرستش کرتے ہیں، ان سے جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ مقدّس ہستیاں اللہ ﷻ کے نزدیک تقرّب کے لحاظ سے کیا مقام رکھتی ہیں ؟ وہ کہتے ہیں یہ حضرات جب ہمارے نزدیک اللہ کا جزو ہیں تو جو صِفت اَصل وُجود میں ہوتی ہے۔ وہی صِفت اس کے جزو میں بھی موجود ہو گی، لہٰذا ہم انہیں بڑے اِلٰہ کے سامنے چھوٹے چھوٹے رَبّ ہونے کا مقام دیتے ہیں۔ جس طرح اللہ شرعی تصرُّف میں تحلیل و تحریم کا اِختیار رکھتا ہے، اسی طرح ہمارے یہ چھوٹے ربّ بھی جس حَرام کو چاہیں حَلال بنا سکتے ہیں اور جس حَلال کو چاہیں حَرام بنا سکتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

" انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عُلَماء اور اَولیاء کو باعتبار اطاعت کے انہیں اپنا رَبّ بنا رکھا ہے اور جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم کو اپنا رَب بنا رکھا ہے۔" ﴿سورۃ التوبۃ: 31﴾

آپ نے شِرک کے نَسَب نامے کا اچھی طرح مشاہدہ کر لیا ہے کہ نَسبی رشتے داری میں کوئی ایسا رشتہ باقی نہیں رہا جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا گیا ہو۔

اللہ ﷻ کے ان تمام رشتوں اور تعلّقات سے مشرکین کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہمارے یہ معبود خواہ وہ مخلوق کی کسی جنس سے بھی تعلق رکھتے ہوں، اللہ کے وُجود کا ایک حصّہ ہیں ، پھر مشرکین کے ہر طبقے نے اللہ ﷻ کے اس حصّے کا نام اپنے اپنے فہم کے مطابق علیحدہ علیحدہ وضع کر لیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے جزء ہونے پر دُنیا کے تمام مشرکین کا اِتفاق ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:۔

﴿ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ﴾

" ان مُشرکین نے اللہ کے بندوں میں سے جو مخلوق ہوتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا ایک حصہ بنا رکھا ہے۔" ﴿سورۃ الزخرف:15﴾

قاعدہ ہے کہ جو صِفت اَصل وُجود میں ہو گی ، اگر اس وُجود میں سے کچھ حصہ علیحدہ کر دیا جائے تو اس جُزو میں بھی وہی تاثیر ہو گی جو اس وُجود کے اَصل میں پائی جاتی ہے۔ سونے کو کاٹ کاٹ کر اگرچہ اس کے لاکھوں حصّے بھی کر دیئے جائیں تو اس کے ہر جُزو کو ہم سونا ہی کہیں گے۔

اسی طرح جو مخلوق اللہ تعالیٰ کا جُزو بن جائے گی تو اس میں بھی وہی اِختیار اور تصرُّف پیدا ہو جائے گا جیسا کہ اَصل اللہ تعالیٰ میں پایا جاتا ہے۔ اس لیے مشرکین جسے اپنا حاجَت رَوا سمجھتے ہیں اُسے اللہ تعالیٰ کا جُزو بناتے ہوئے اس میں تصرُّف اور اِختیار کا بھی وہی عقیدہ رکھتے ہیں جس طرح اللہ ﷻ کے تصرُّف اور اِختیار میں پایا جاتا ہے

اور جس میں یہ صِفت پائی جاتی ہو اُسے اِلٰہ کہتے ہیں۔ اُلوہیت اور رُبُوبیت چُوں کہ ایک معنی کے مترادف ہے اس لیے جسے ہم اِلٰہ کہیں گے اُسے رَبّ بھی کہہ سکتے ہیں۔

فرعون چُوں کہ اپنے آپ کو رُبُوبیت کی صِفت سے مَوصوف کرتا تھا اس لیے اس نے اپنے دعویٰ میں کہا تھا۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾

"(اے اہلِ مصر) مَیں تمہارا سب سے بڑا ربّ ہوں۔" ﴿سورۃ النازعات:24﴾

اس لیے وہ اپنے وزراء کی اسمبلی میں ان کو خطاب کرکے کہتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ

"اے میرے اہلِ دربار مجھے تو اپنے سِوا تمہارا کوئی اِلٰہ معلوم نہیں ہوتا۔"

﴿سورۃ القصص:38﴾

دیکھئے فِرعون کے دعویٰ رُبُوبیّت سے مقصود یہ ہے کہ دَراَصل مَیں اس ملکِ مصر کا اِلٰہ ہوں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ رَبّ اور اِلٰہ کا مفہوم ایک ہی ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مُشرکین نے جِنّات ، ملائکہ ، اَنبیاء، اَولیاء، مشائخ اور عُلَماء کو اپنا اِلٰہ بنا رکھا ہے۔ اس لیے اس عقیدے کے تحت ان سب کو قرآنِ مجید میں مُشرکین کا لقب دیا گیا ہے۔

اب آیئے قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ہم اس بات کو تلاش کرتے ہیں کہ کِسی مقدس ہستی کے ماننے میں وہ کون سی تفریط اور غلطی ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ اِلٰہ بن جاتا ہے اور اس کے ساتھ ایسا عقیدہ رکھنے والے مُشرک ہو جاتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں اِلٰہ کا حقیقی مفہوم

کُفر کی وادی سے نِکل کر اِنسان جب اِسلام کے دائرے میں داخل ہوتا ہے تو اس کی بنیادی شَرط یہ ہے کہ وہ پہلے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا اِقرار کرلے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کلمہ کو اِسلام کی بنیادی شَرط کیوں قرار دِیا گیا ہے؟ اس لیے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ دُنیا کے تمام کافر اور مُشرکین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن اگر انہیں کہا جائے کہ یہ بات بھی مان لو کہ اس عالمین کا نظام بھی وہی اکیلا اِلٰہ چلا سکتا ہے تو وہ اِنکار کر دیتے ہیں۔

اللہ ﷻ کی اس دُوسری صِفت کا اِنکار ان کے پہلے اِقرار کو اس لیے باطل کر دیتا ہے کہ اللہ ﷻ کو ماننے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ اس کی ایک صِفت کو تو مان لیا جائے لیکن دُوسری صِفت کا اِنکار کر دیا جائے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ کُفر اور اِسلام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے ساتھ ساتھ کائنات میں اس کی حاکمیت کو بھی تسلیم کر لیا جائے ۔ اس لیے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے کلمہ میں اِلٰہ کے ایسے جامع صِفاتی اِسم کو رکھا گیا ہے جس کے پڑھنے اور

ماننے سے اللہ ﷻ کی خالقیت اور حاکمیّت دونوں کا اِقرار ہو جاتا ہے وَرنہ کلمہ اس طرح بھی ہو سکتا تھا لَا خَالِقَ اِلَّا اللہ، لَا رَحِیمَ اِلَّا اللہ ، لَا غَفَّارَ اِلَّا اللہ۔ کیوں کہ اِن کلموں میں اللہ کی بعض مخصوص صِفات کا اِظہار تو ہوتا ہے لیکن اُلوہیت کا مکمل اِقرار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے باقی تمام صفاتی اَسماء کو چھوڑ کر کلمہ طیبہ میں ایسا جامع صفاتی نام منتخب کیا ہے جس کے ماننے سے اللہ کی تمام صِفات کا اِقرار ہو جاتا ہے اور اس صِفاتی اِسم کا نام اِلٰہ ہے۔ اب لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا معنی اس طرح ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کائنات میں دُوسرا کوئی اِلٰہ نہیں ہے، جو اللہ ﷻ کو اِلٰہ مان لے گا وہ مسلمان ہے جو اسے اِلٰہ نہ مانے گا وہ پکّا کافِر اور مُشرک ہے۔

اب آیئے قرآنِ مجید میں دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اُلوہیت کس طرح منوانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کلمہ طیبہ میں اُلوہیت کی تفہیم کو قرآنِ مجید کے مطابق مان لیں تو توحید کے بارے میں اَب تک جو کروڑوں تاویلات کی گئی ہیں ان سب سے نَجات حاصل کر لیں گے۔ کلمہ میں لفظ اِلٰہ کا مفہوم کیا ہے؟ اِلٰہ کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ تمام کائنات کی کارسازی کرنے والا۔ کائنات کو پیدا کرنا یہ بھی اس کی کارسازی ہے۔ پیدا کرنے کے بعد تمام مخلوق کی حوائج اور بَقاء کا اِنتظام کرنا یہ اس کی کارسازی میں شامل ہے ۔اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اِنسانوں کے سامنے اپنی اُلوہیت کی کارسازی کو زیادہ نمایاں کیا جائے۔ اس لیے لفظ اِلٰہ کی تفہیم کو آسان کرنے کے لیے اس کے قائم مقام قرآن میں اِسم وکیل کو لائے ہیں جس کا لغوی معنی بھی کارساز ہے تا کہ کلمہ کے مفہوم میں کسی قسم کی اُلجھن باقی نہ رہے۔

اَب قرآنِ مجید کے شواہد پیش کئے جاتے ہیں تا کہ اللہ ﷻ کی توحید میں آپ صحیح تقرّب حاصل کر سکیں، اس تقرّب کا اللہ ﷻ کے نزدیک اِتنا بڑا درجہ ہے کہ اگر آپ کے اِتنے گناہ ہوں جِن سے زمین و آسمان کے تمام طبقات بھی بھر جائیں پھر بھی آپ نَجات حاصل کر کے جنت کے اعلیٰ مدارج میں داخل ہو جائیں گے۔

بعثتِ اَنبیا علیہم السلام کے مقصد میں پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ہر رسول کو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ وہ سب سے پہلے بھٹکے ہوئے انسانوں کو لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کی تشریح سمجھائیں۔ سیدنا مُوسیٰ علیہ السلام کو جَب نُبوت عطاء کی گئی تو ان کی طرف بھی سب سے پہلے یہ وحی کی گئی۔

وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾
اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ

" اے مُوسیٰ میں نے تجھے نبی بنانے کے لیے منتخب کیا ہے سِو اس وقت جو کچھ وحی کی جاری ہے اسے اچھی طرح سُن لو ، وہ یہ ہے کہ مَیں ہی اللہ ہوں میرے سِوا کوئی دُوسرا اِلٰہ نہیں پس تم میری ہی عبادت کرتے رہنا۔ " ﴿سورۃ طٰہٰ: 13،14﴾

دیکھئے اس وحی کے کلمے لَا اِلٰہ اِلَّا اَنَا میں حکم دیا گیا ہے کہ مَیں ہی اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی دُوسرا اِلٰہ نہیں یعنی مجھے کائنات کا اکیلا اِلٰہ مان لو۔ اَب دیکھنا یہ ہے کہ اِلٰہ کا مفہوم کیا ہے اور اسے ماننے کا طریقہ کیا ہے؟ قرآنِ مجید میں ایک دُوسرے مقام پر اس آیت کی اس طرح تصریح کر دی ہے تا کہ اِلٰہ ماننے والوں کے ذہن میں کسی قسم کی خلش باقی نہ رہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝۲

" ہم نے مُوسیٰ کی طرف تورات کی کتاب بھیجی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اِسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا، اِس کتاب کا مقصد یہ تھا کہ تم لوگ میرے سِوا اپنا کوئی دُوسرا کارساز مت بنانا۔" ﴿سورۃ بنی اِسرائیل:2﴾

سیدنا مُوسیٰ علیہ السلام کی اِبتدائے نبوت میں کلمہ لَااِلٰہ اِلَّااَنَا جو اُتارا گیا تھا، تورات کی کتاب میں اس کی تصریح کردی گئی تھی کہ لَااِلٰہ اِلَّا اللہ کے ماننے کا مقصد یہ ہے:۔

" اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا " کہ تم لوگ میرے سِوا کوئی دُوسرا کارساز مَت بنانا۔"

اِس سے معلوم ہُوا کہ کلمہ میں جو اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو آپ اِلٰہ مان لیں۔ اُوپر کی آیت میں اِلٰہ کے مفہوم کی تصریح کردی گئی ہے کہ اِلٰہ ماننے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سِوا کسی دُوسرے کو اپنا کارساز (وکیل) مت بناؤ۔ لیکن کافر اور مُشرکین کلمے کے اس معنیٰ کو تسلیم نہیں کرتے، وہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو کائنات کا خالق تو مان لیتے ہیں لیکن وہ اللہ کو تمام مخلوق کا اکیلا کارساز نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں جب تک ہمارے معبود اس کارسازی میں تعاون نہ کریں ایسا عظیم وزن اکیلا اللہ تعالیٰ کیسے اُٹھا سکتا ہے؟

قرآنِ حکیم نے ایک سادہ دلیل اور فطری حکمت کے ساتھ مشرکین کے اس تذبذب کا پُورا اِزالہ کردیا ہے، اس کے بعد بھی کوئی اگر تسلیم نہ کرے تو اس کا علاج جہنم کے عذاب کے علاوہ اَور کیا ہو سکتا ہے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿٦٢﴾

" کائنات کی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور (جو اکیلا پیدا کر سکتا ہے) وہ تمام مخلوق کا اکیلا کارساز بھی بن سکتا ہے " ﴿سورۃ الزمر:62﴾

دیکھئے اس آیت میں خالق اور وکیل اِن دو اِسموں کو جمع کر کے کس طرح اِلٰہ کے مفہوم کو آسان بنادیا ہے۔

اگلی آیت میں خالق اور وکیل دونوں کو جمع کر کے لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے پُورے مفہوم کو بڑی خُوبی کے ساتھ ہمیں سمجھا دیا ہے، ساتھ ہی مشرکین کے اَہم اِشکال کو بھی رَفع کر دیا ہے۔

کلمہ کے معنی کی تصریح	جو کلمہ اللہ منوانا چاہتے ہیں	تخلیق کائنات کا ثبوت
فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا	لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
اے میرے پیارے نبی (ﷺ) اپنے ہر معاملے میں اس اِلٰہ کو اپنا کارساز بنائے رکھ۔	اس اللہ کے سِوا دُوسرا کوئی اِلٰہ نہیں ہے۔	وہ اللہ کائنات کی مَشرق اور مغرب کا ربّ ہے۔

﴿سورۃ المزمل:9﴾

اس آیت میں تین جملے ہیں، ہر جملہ آپس میں ایک دُوسرے کی دَلیل اور اِلٰہ کی تصریح کر رہا ہے۔

نمبر:۱ پہلے جملے میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کائنات کے مَشرق اور مغرب کا ربّ اللہ تعالیٰ ہے۔

نمبر:۔ ۲ دُوسرے جملے میں ہے کہ کائنات کا جب رَبّ وہی ہے تو معبود (اِلٰہ) بننے کے لائق بھی وہی ہو سکتا ہے لٰہذا تم اسے اپنا اِلٰہ مان لو۔

نمبر:۔ ۳ تیسرے جملے میں ہے کہ اللہ کو اِلٰہ ماننے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے اپنے ہر معاملے اور حوائج میں کار ساز بنائے رکھو۔

دیکھئے قرآنِ حکیم نے ایک مختصر آیت میں مُشرکین کے اَہم تذَبذُب کو بھی رَفع کر دیا ہے اور ساتھ ہی لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا مفہوم بھی کتنی سادگی کے ساتھ ہمیں سمجھا دیا ہے۔ دُوسرا اس آیت میں ایک خاص نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کہیں یہ اُمتِ محمد یہ شِرک کے غلو میں گرفتار ہو کر نَصاریٰ کی طرح گمراہ نہ ہو جائے ، وہ نکتہ یہ ہے کہ آیت میں توحید کے دلائل بیان کرتے ہوئے آخری جملے میں اُلوہیت کے اِقرار کو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مختص کر دیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں:۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا

"اے میرے نبی اپنے ہر معاملے میں اللہ کو کار ساز بنائے رکھئے۔" ﴿سورۃ المزمل:9﴾

حالانکہ یہ حکم اُمّتِ محمد یہ ﷺ کے ہر فرد کے لیے عام ہے جیسا کہ آپ پچھلی آیت میں پڑھ چکے ہیں کہ اس حکم کے خطاب میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تمام اُمّت شامل تھی۔ اس حکم کے خطاب میں محمد رسول اللہ ﷺ کو انفرادی طور پر اس لیے مختص کیا گیا ہے، اس کی دو وجوہات معلوم ہوتی ہیں:۔

نمبر: ۱ اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر اپنے رَسولِ اَکرم ﷺ کی اِطاعت فرض کر دی ہے، اَب نبی کو حکم ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا کارساز مان لو، جب نبی ﷺ نے اللہ کو اپنا کارساز مان لیا تو ہمیں حکم ہوتا ہے کہ تم بھی اپنے نبی ﷺ کی اِطاعت کرتے ہوئے اللہ کو اپنا کارساز مان لو، یعنی رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت میں بنیادی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ جب تک اپنے نبی کا عقیدہ تسلیم نہ کروگے رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت میں داخل نہیں ہوسکتے۔

نمبر: ۲ نبی اکرم ﷺ کے عقیدے میں اِطاعت کرنے کا دُوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جیسی ہستی اپنے ہر معاملے میں اللہ کی کارسازی اور اِمداد کے لیے محتاج ہے تو کائنات میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ اُونچی شان والا دُوسرا کون ہوسکتا ہے جو مخلوق کا حاجَت رَوا اور مشکل کُشا بن سکے۔

اس آیت کی اس مختصر تشریح سے معلوم ہُوا کہ جس طرح توحید کے عقیدے میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو تمام مخلوق کا کارساز سمجھا جائے اس طرح رسول کی اِطاعت میں بھی بنیادی شرط یہ ہے کہ رسول کو اس طرح مانا جائے کہ وہ اپنے ہر معاملے اور حوائج میں اللہ کی کارسازی کا محتاج ہوتا ہے ۔ جَب نبی اکرم ﷺ کو عقیدۃً ایسا مان لیا جائے تو پھر اَولیاء اور مشائخ کے بارے میں ہم یہ عقیدہ کیسے رکھ سکتے ہیں کہ فُلاں بزرگ یا پِیر فُلاں فُلاں مُصیبت میں ہماری مدد کرسکتا ہے کیا اس سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی اِطاعت کا مقصد پُورا ہوجاتا ہے باقی رہا اسے قبول کرنا یا نہ کرنا جیسے آپ کو آپ کا ضمیر اِجازت دے ہم آپ کی مختاری میں دخل انداز نہیں ہوسکتے۔

تصرّفات کے ذریعے قرآنِ مجید میں
کلمہ طیبہ کی تشریح

آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کلمہِ طیّبہ کا مقصد یہ ہے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کو اِلٰہ مان لیا جائے اور اِلٰہ کا مفہوم ہے تمام مخلوق کا اکیلا کارساز۔ جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ تمام مخلوق کا اکیلا کارساز ہے، لیکن جب تک کسی مخلوق پر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی کارسازی کے تصرُّف کا مشاہدہ نہ کرلیں تو ہمیں یہ کیسے پتہ چلے کہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اپنی مخلوق کے لیے کیسے کارسازی کر سکتا ہے۔

تصرُّف کہتے ہیں کسی چیز پر اپنی قوّتِ فعلیہ کو استعمال کر کے اس کے نتیجے کو ظاہر کرنا ۔ اس لیے قرآنِ حکیم میں چند مَقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مخصوص تصرُّفات کا ذکر کر دیا ہے ، مقصد یہ ہے تا کہ اِنسان ان تصرُّفات کا اعتقادی مشاہدہ کر کے تسلیم کر لے کہ مخلوق کی ایسی کارسازی صرف اِلٰہ کر سکتا ہے۔ جو اس کارسازی کے تصرّف کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرے گا مُشرک بن جائے گا۔

اِن آیات میں تصرُّفات کے بیان کا انداز اس طرح رکھا گیا ہے کہ وہاں ہر کارسازی کی قوّتِ فعلیہ کو اِلٰہ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ تا کہ ان آیات میں اِلٰہ کے مفہوم کی اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔

ہماری گزشتہ سُطور کے مقصد کو سادہ ذہن رکھنے والے شاید اچھی طرح نہ سمجھ سکے ہوں تو آیئے ہم ذرا مزید سہل کر کے سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں قرآنِ حکیم میں کلمہ طیّبہ کا مطلب یہ ہے کہ لَااِلٰہ اِلَّا اللّٰہ ، اللہ کے سِوا کسی دُوسرے کو اپنا اِلٰہ مَت بناؤ۔

ہم ناقص اِنسان جو علم و فہم میں اِتنی سُوجھ بُوجھ نہیں رکھتے ایسی بات کو شواہد کے بغیر نہیں سمجھ سکتے ۔ ہاں اگر ہم اپنے اِلٰہ کی دنیا میں کارسازی کی کچھ علامتیں مشاہدہ کر لیں تو پھر ہمارے لیے یہ بات سمجھنی بالکل آسان ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی یہی چاہتی ہے کہ کلمہ کی تفہیم کے لیے ایسے آسان شواہد بیان کئے جائیں تاکہ ہر اِنسان خواہ وہ کتنی ہی سادہ عقل کیوں نہ رکھتا ہو اُلوہیت کے مفہوم کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکے۔

کلمہ طیبہ کا مفہوم اور آسان دلیل

اَنبیاء علیہم السلام کو ماننے والے تمام مُشرکین اِقرار کرتے ہیں کہ دنیا کے تمام اِنسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ تقرّب اَنبیاءِ کرام کی جماعت کو حاصل ہوتا ہے۔ ایسے مُشرکین کی عادت ہے کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب مانتے ہیں، عقیدۃً اسے اُلوہیت کا درجہ دے کر اس کے ساتھ شِرک کرنے لگ جاتے ہیں، بعض اَنبیاء علیہم السلام کے مصائب کو قرآنِ مجید میں بَطور شَواہد اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ جو اِنسان انہیں حاجَت رَوا سمجھ کر اپنے مصائب میں پکارتے ہیں ان کے اس شِرکیہ عقیدے کی عقلاً بھی اچھی طرح تردید ہو جائے۔ کوئی نبی جب کسی مصیبت میں

گرفتار ہو جاتا ہے، ایسی مقرّب ہستی کا ایک بڑی مصیبت میں پھنس جانا یہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ واقعی یہ ہستیاں اللہ ﷻ کے سامنے بالکل عاجز اور بے بس نظر آتی ہیں۔

قاعدہ ہے کہ جب ایک چیز کسی دُوسری چیز پر غالب آجاتی ہے تو غالب چیز کے مقابلے میں مغلوب چیز کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ بعض قوی اِنسان شیر کا بھی مقابلہ کر لیتے ہیں لیکن وہی اِنسان نیند اور بُھوک کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اگر چہ اِنسان طاقت کے لحاظ سے بہت قوی نظر آتا ہے لیکن طبعاً اس میں ایسی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں جن کے مقابلے میں اس کی تاب بالکل بے بس ہو جاتی ہے۔اِس سے معلوم ہُوا کہ کسی نبی کا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جانا اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اگر اس میں اُلوہیت کا اَدنیٰ اِختیار بھی موجود ہوتا، پہلے تو اس پر کوئی مصیبت غلبہ نہ کر سکتی، اگر کوئی مصیبت جبراً غلبہ کرنے کی کوشش بھی کرتی تو وہ نبی اپنے تصرّف سے فوراً اُسے دُور کر دیتے۔ بلکہ قرآنِ مجید میں تو اس کے برعکس دلائل ملتے ہیں وہ یہ کہ جب کسی نبی پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تو وہ فوراً اللہ ﷻ کے سامنے تضرّع اور عاجزی کا اِظہار کرتے کہ اَے اللہ ﷻ میں تیرے نزدیک ایک عاجز اور بے بس بندہ ہوں اور تُو ہی میرا اِلٰہ ہے اور میری اِس مُصیبت کو دُور فرما۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآنِ حکیم میں ایسے واقعات کو کیوں بیان کیا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم چُوں کہ اِنسانوں کے لیے رُشد و ہدایت کی کتاب ہے اس لیے قرآنِ حکیم جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اسے تاریخی حیثیت سے بیان کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

بلکہ اس لیے کہ اس واقعہ میں اِنسانوں کی ہدایت کے لیے عملی یا اعتقادی اصلاح کا کوئی نہ کوئی اَہم پہلو ضَرور موجود ہوتا ہے ۔جہاں جہاں قرآنِ مجید میں اَنبیاءِ کرام علیہم السلام کے مَصائب بیان کئے گئے ہیں، مقصود یہ ہے کہ ان کے ماننے والے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ جب ایسے مقرّب نُفوس مصائب میں پھنس کر اپنی تکلیف کو اپنے اِختیار سے دُور نہیں کر سکتے تو اس سے کم درجے کے لوگ اَئِمّہ اور اَولیاء وغیرہ کس طرح تمہارے حاجَت رَوا بن سکتے ہیں ؟ایسے واضح دلائل کے بعد بھی اگر کوئی شِرک اور توحید کے درمیان اِمتیاز نہ کر سکے تو اس کا عِلاج قرآنِ حکیم کے پاس بھی موجود نہیں ہے۔

قرآنِ حکیم ایک مَشہور رسول کا واقعہ بیان کرتا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ اُلجھے ہوئے اِنسانوں کو کلمہ طیبہ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ آجائے۔سیدنا یونُس علیہ السلام ایک مشہور رسول ہیں۔وہ کسی وجہ سے ایک بہت بڑی مچھلی کے پیٹ میں پھنس جاتے ہیں۔ اِنسان اگر ایک ایسی جگہ میں پھنس کر رہ جائے جہاں نہ بیٹھنے لیٹنے کی جگہ ہو اور نہ اس میں روشنی ہو اور نہ کہیں سے ہَوا آسکے، اس سخت ترین گھٹن کا آپ اندازکر سکتے ہیں کہ ایسے مقام میں پھنسا ہوا اِنسان کتنی مصیبت برداشت کر رہا ہو گا۔سیدنا یونُس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں پھنس گئے تو وہ مصیبت اس سے بھی زیادہ شدید تر تھی، اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے،رسول کتنی اُونچی شان رکھتا ہے لیکن اب یہ حالت ہے کہ ایک ایسی آفت میں پھنس کر رہ گئے ہیں جہاں سے نکلنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔اس حالت میں آپ کو ایک اُولوالعزم نبی کس طرح مسلوبُ الاختیار اور بے بس نظر آرہا ہے، چاروں طرف سمندر کی تہہ کا اَندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا، اللہ جانے اس

رسول کو چاروں طرف سے کتنے اندھیرے گھیرے ہوئے ہیں، ان اندھیروں کے دبیز پردوں کے نیچے دیکھئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح پکارتے ہیں:۔

فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

" مَصائب کے اَندھیروں میں گِھرا ہُوا نبی اپنے رب سے یُوں فریاد کرتا ہے۔"

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ

" تیری ذات پاک ہے تیرے سِوا دُوسرا کوئی (اِلٰہ) کارساز نہیں ہے۔"

اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

" مَیں پُورا اعتراف کرتا ہوں کہ واقعی مجھ سے کچھ زیادتی ہو گئی ہے۔"

اُوپر سے اللہ تعالیٰ کا جواب:۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

" ہم نے اَپنے نبی کی دُعاء منظور کرلی۔ "

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ

"اور ہم نے اُسے (ایک بڑی) مُصیبت سے چھڑالیا۔"

اِس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ہماری یہ کارسازی صِرف یُونس علیہ السلام کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ ہمارا ازل سے یہ دَستور چلا آرہا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ

" جو ہمیں اَپنے عقیدے میں کارساز سمجھ کر اَپنی کسی مُصیبت میں بھی پکارے گا اس کی ہر مُصیبت کو دُور کر دیں گے۔" ﴿سورۃ الانبیاء: 86،87﴾

اس آیت کے اندر جو لفظ مومنین اِستعمال ہو رہا ہے اس میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن وہ ہے جو اَپنی ہر مُصیبت میں صِرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے مومن کا قرآنِ حکیم میں دُوسرا مفہوم مُسلم ہے، اس آیت میں مُسلم (مسلمان) کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾

" اَے میرے نبی آپ تمام کائنات کے اِنسانوں کو فرما دیجئے میرے پاس تو صِرف یہ حکم آتا ہے کہ تمہارا اِلٰہ جو (مَصائب دُور کرتا ہے) وہ صِرف ایک ہی اِلٰہ ہے۔ کیا تم ہماری بات مان کر مُسلمان بننا چاہتے ہو۔" ﴿سورۃ الانبیاء: 108﴾

اِس سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا حقیقی کارساز بنا لے اور اَپنی ہر مُصیبت میں صِرف اُسے پکارتا رہے اور یہی کلمہ کا مفہوم ہے اور بس!

کلمے کی تفہیم کے لیے قرآنِ حکیم میں اور بھی متعدّد آیات اور شواہد موجود ہیں مگر جو شخص اپنے سینہ میں قلبِ سلیم رکھتا ہے اس کے لیے اس قدر تحریر بھی کافی ہے اللہ کرے کہ تمام مسلمان کلمے کا صحیح مفہوم سمجھ جائیں۔

کلمہ طیبہ کی فرضیت اور تشریح

اِسلام میں داخل ہونے کی بنیادی شَرط یہ ہے کہ پہلے اسے کلمہ طیبہ کی تفہیم اور اس کی فرضیّت سے آگاہ کیا جائے۔اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ دائرۂ بلوغ میں داخل ہو جائے تو سب سے پہلے کلمہ کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لے۔ جس طرح کلمے کا پڑھنا فرض ہے اس طرح یہ بھی ضَروری ہے کہ یہ بھی معلوم کر لے کہ کلمہ پڑھنے کا اَصل مقصد کیا ہے؟

قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

" محمد ﷺ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اللہ کے بغیر دُوسرا کوئی اِلٰہ نہیں ہو سکتا۔" ﴿سورۃ محمد:19﴾

اِس آیت سے معلوم ہُوا کہ جس طرح کلمہ پڑھنا فرض ہے اس کا مقصد اور مفہوم جاننا بھی وُجوب میں داخل ہے۔کلمہ کا اَہم جُزو لفظ اِلٰہ ہے یعنی جو شخص صِدقِ دِل سے اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی اُلوہیت کا اِقرار کر لیتا ہے وہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے نزدیک حقیقی مسلمان بن جاتا ہے۔ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی اُلوہیت کسے کہتے ہیں؟سابقہ اَوراق میں اس پر کافی بحث ہو چکی ہے۔لفظ اِلٰہ کی وضاحت کے لیے مزید چند آیات پیش کی جاتی ہیں تاکہ کلمہ کی تفہیم میں زیادہ سے زیادہ آسانی پیدا ہو جائے، قرآن نے جہاں شِرک کا مقصد بیان کیا ہے وہاں

مشرکین کے اس بنیادی نکتے کو اچھی طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی کو عقیدۃً اپنا اِلٰہ بناتے ہیں اس سے ان کا مقصد صِرف یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارا خود ساختہ اِلٰہ ہمارے اَہم معاملات میں نفع بھی دے سکتا ہے اور تکلیف بھی۔ بنی اِسرائیل نے جب اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کو اپنا اِلٰہ بنالیا تھا، سامری جو اس قوم کا گمراہ پیر تھا وہ اور اس کے مُرید آپس میں کہنے لگے:۔

فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۙ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾

"وہ ایک دُوسرے سے کہنے لگے تمہارا اور مُوسیٰ کا اِلٰہ تو یہ بچھڑا ہے پس مُوسیٰ تو اَصل اِلٰہ کو بھول گیا ہے۔" ﴿سورۃ طٰہٰ:88﴾

دیکھئے! بنی اِسرائیل جو ایک مُسلمان قوم تھی، شِرک میں اس قدر اَندھی ہو گئی تھی کہنے لگے کہ مُوسیٰ علیہ السلام ہمارے (اِلٰہ) بچھڑے کو چھوڑ کر سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے، غلطی سے اس نے اپنا ایک دُوسرا اِلٰہ بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتے ہیں:۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

" کیا یہ لوگ اِتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ان کا اِلٰہ (بچھڑا) نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضَرر اور نفع پر قدرت رکھتا ہے۔" ﴿سورۃ طٰہٰ:89﴾

بچھڑے کی اُلوہیت کی جو اس آیت میں تردید کی گئی ہے اِس سے معلوم ہُوا کہ بنی اِسرائیل نے بچھڑے کو اپنا اِلٰہ اس لیے بنایا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ یہ معبود ہمارے تمام معاملات میں نفع اور ضَرر دے سکتا ہے اس لیے ان کے جواب میں فرمایا

گیا یہ بچھڑا جو کہ ایک حقیر چیز ہے، نہ وہ تمہاری کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ کسی کو نفع یا ضَرر دینے پر قدرت رکھتا ہے، پھر تمہارا اِلٰہ کیسے ہو سکتا ہے؟

اِس سے معلوم ہُوا کہ اِلٰہ اُسے کہتے ہیں جو مخلوق کے ضَرر اور نفع پر پُوری قدرت رکھتا ہو، نفع وضَرر کے مفہوم میں کافی وسعت پائی جاتی ہے۔

تمام کائنات کو پیدا کرنا، پیدا کر کے اس کی بقاء کا اِنتظام کرنا، ذلیل کو عزّت دینا، گمراہ کو ہدایت پر لانا، کمزور کو غالب کرنا، مَصائب کو دُور کرنا، اَولاد دینا، اَمراض کو شِفاء میں تبدیل کر دینا۔۔۔ ایسی صِفات کو نفع دینے کی قدرت کہتے ہیں۔ کائنات کو پیدا کر کے ختم کرنا، آباد شہروں کو برباد کرنا، قحط، زلزلوں اور جنگوں کے ذریعے قوموں کو ہلاک کرنا حکومتیں تبدیل کرنا، بادشاہوں کو ذلیل کرنا، جاہ وجلال کو ذِلّت میں بدل دینا، نافرمانوں کو سزا دینا۔۔۔ ایسی صِفات کو ضَرر دینے کی قدرت کہتے ہیں۔ جس ہستی میں نفع وضَرر کی یہ دونوں طاقتیں پائی جاتی ہوں اُسے اِلٰہ کہتے ہیں۔

اب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں لفظِ اِلٰہ کے معنی پر تدبُّر کیجئے۔ اس سے کلمہ کا مقصد اچھی طرح واضح ہو جائے گا۔ قرآنِ حکیم میں اِلٰہ کے مفہوم کو چند آیات میں حیران کُن شواہد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں شانِ اُلوہیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ ایسے شواہد کے بعد بھی اگر کوئی کلمہ کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے تو اس کی عقل و دانش پر ماتم کرنا چاہیے۔

اَب تفسیرِ اُلوہیت کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں:۔

مَّنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ

اللہ کے سِوا دُوسرا کون اِلٰہ ہو سکتا ہے؟

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَاَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ ثُمَّ هُمۡ يَصۡدِفُوۡنَ ﴿۴۶﴾

" آپ(ﷺ)ان سے کہئے اچھا یہ تو بتلاؤ؟ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کانوں کی شِنوائی، آنکھوں کی بینائی بالکل ختم کر دے اور تمہارے دِلوں پر ایسی مُہر کر دے کہ تم حق وباطل کے درمیان امتیاز بھی نہ کر سکو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سِوا دُوسرا کون سا اِلٰہ ہو سکتا ہے جو اِن چیزوں کو واپس کر دے۔ آپ(ﷺ) دیکھئے ہم اُلوہیت کے دلائل کو کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کر رہے ہیں۔ ایسے واضح دلائل کے بعد پھر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔" ﴿سورۃ الانعام:46﴾

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اِلٰہ اُسے کہتے ہیں جو بہرے کو شِنوائی اور اَندھے کو بینائی دے سکتا ہو، اور جب دِلوں پر کُفر کی مُہر لگ چکی ہو اُسے توڑ کر رُشد وہدایت دے سکتا ہو، اللہ کے سِوا ایسا کام کوئی دُوسرا کیسے کر سکتا ہے۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ اِلٰہ صِرف اللہ ہی ہو سکتا ہے اب لَااِلٰہ اِلَّا اللہ کا معنیٰ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ کیوں کہتے ہیں۔

مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

اللہ کے سِوا دُوسرا کون اِلٰہ ہو سکتا ہے؟

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

" آپ ان سے کہیۓ، اچھا یہ تو بتلاؤ؟ اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو اِتنا طویل بنا دے کہ ہمیشہ کے لیے تا قیامت رات ہی رات رہے۔ تو اللہ کے سِوا دُوسرا کون سا اِلٰہ ہو سکتا ہے جو تمہارے لیے روشنی لے آئے۔ کیا تم توحید کے ایسے واضح دلائل کو نہیں سنتے۔ آپ اِن سے دوبارہ پوچھیۓ اچھا یہ تو بتلاؤ؟ اگر اللہ تعالیٰ تم پر دِن کو اِتنا طویل کر دے کہ ہمیشہ کے لیے تا قیامت دِن ہی دِن رہ جائے، تو اللہ تعالیٰ کے سِوا دُوسرا کونسا اِلٰہ ہو سکتا ہے جو تمہارے لیے رات کو لے آئے جس میں تم آرام کر سکو۔ کیا تم ایسے شواہد اور دَلائل کے بعد بھی بصیرت حاصل نہیں کرتے۔" ﴿سورۃ القصص:72،71﴾

اِن آیات میں بتلایا گیا ہے کہ اگر اللہ جَلَّ جَلَالُهٗ رات کو ایسا طویل کر دے کہ قیامت تک سورج طُلُوع نہ ہو اور نہ تمہیں کوئی رَوشنی حاصل ہو سکے جس سے زندگی کا تمام نظام معطّل ہو کر رہ جائے، اسی طرح اگر دِن کو قیامت تک طویل کر دے کہ رات بھی نہ آنے پائے اور نیند اور سکون کا نظام بھی ختم ہو کر رہ جائے، اللہ کے سِوا کوئی

دُوسرا اِلٰہ ایسا کر سکتا ہے کہ ایسی طویل رات کے بعد دن کو لے آئے یا ایسے طویل دن کے بعد رات کو پیدا کر سکے کیا ایسے واضح دلائل کے بعد بھی تم اللہ کی اُلوہیت کا اعتراف نہیں کرتے ؟ اب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا معنی کیجئے کہ اللہ کو اِلٰہ کیوں کہتے ہیں؟

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اِلٰہ ہے؟

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾

" یا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور آسمان سے تمہارے لیے بارش کے ذریعے پانی برسایا، پھر اس پانی کے ذریعے ہم نے تمہارے لیے رونق دار باغ اُگائے تم سے تو ممکن ہی نہ تھا کہ ایسے باغات اور مختلف قسم کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت میں شریک ہونے کے لائق کوئی اور اِلٰہ ہو سکتا ہے (ہرگز نہیں) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ایسے واضح دلائل کے بعد بھی اپنے بزرگوں اور بتوں کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ ﴿سورۃ النمل: 60﴾

اِس آیت میں بتلایا گیاہے کہ اِلٰہ کے لائق وہی ذات بہتر ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا، اور اِنسانوں کے لیے بارش کا انتظام کیا، بارش کے ذریعے باغات اور کھیتیاں اُگائیں، جن سے اِنسانوں کی غذا اور مَعاش کا انتظام کیا، کیا ایسا کام کوئی پیر یا باطل معبود کر سکتاہے۔، بلکہ وہ تو درخت سے ٹُوٹا ہُوا پتّہ بھی دوبارہ نہیں جوڑ سکتے۔ جو ایسا کام کر سکتاہے حقیقی اِلٰہ بھی وہی ہو سکتاہے اب لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا معنی پڑھیئے اور تدبّر کیجیئے کہ اللہ کو اِلٰہ کیوں کہتے ہیں!

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اِلٰہ ہے؟

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَ جَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

"یا وہ ذات بہتر ہے جس نے زمین کی سطح کو مخلوق کے لیے قرار گاہ بنایا۔ اور اس کے درمیان دریا اور نہریں جاری کیں اور زمین کے ٹھہرانے کے لیے اس پر پہاڑ کھڑے کر دیئے تاکہ ڈگمگانے سے محفوظ رہے۔ اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حدِّ فاصل قائم کر دی۔ کیا ایسے تصرُّفات میں اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا اِلٰہ شریک ہو سکتاہے؟ (ہرگز نہیں) مگر شِرک کرنے والے نہیں مانتے بلکہ ان میں سے زیادہ تو اچھی طرح سمجھتے بھی نہیں۔ "

﴿سورۃ النمل: 61﴾

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اِلٰہ کے لائق وہ ذات بہتر ہے جس نے مخلوق کے لیے زمین کو قَرار گاہ بنایا پھر اس کے مَعاشی نظام کے لیے دریا اور نہریں جاری کر دیں، زمین کے نیچے اور چاروں طرف چُوں کہ پانی موجود تھا اسے بر قرار رکھنے کے لیے پہاڑوں کا وزن رکھ دِیا تا کہ زمین ڈگمانے سے محفوظ رہے، اور دو دریاؤں کے درمیان ایک حدِّ فاصل قائم کر دی، کیا ایسے تصرُّفات پر کوئی دُوسرا اِلٰہ قادر ہو سکتا ہے؟۔۔۔اب تدبُّر کیجئے کہ اللہ کو اِلٰہ کیوں کہتے ہیں!

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی اِلٰہ ہے؟

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

" یا وہ ذات بہتر ہے ، جب بے قرار آدمی اپنی مصیبت میں پکارتا ہے تو اُس کی فریاد سُن لیتا ہے اور سُننے کے بعد اس کی مُصیبت کو دُور کر دیتا ہے اور تم کو زمین میں کاروبار اور عمل کے لیے بااِختیار بناتا ہے۔ کیا ایسے تصرُّف میں اللہ کے ساتھ کوئی دُوسرا اِلٰہ شریک ہو سکتا ہے؟ (ہر گز نہیں) مگر تم لوگ ہمارے دَلائل کو بہت ہی کم یادر کھتے ہو۔" ﴿سورۃ النمل : 62﴾

آدمی مصائب میں گھِر کر جب چاروں طرف سے نا اُمید ہو جاتا ہے، اُسے اِضطراری

حالت کہتے ہیں۔ ایسی حالت میں اِنسان جب دُعا مانگتا ہے تو اس کی دُعا سُن کر اس کی مُصیبت کون دُور کر دیتا ہے ؟ جاہل اور شرکیہ اعتقاد رکھنے والا سمجھتا ہے کہ میں نے جب فُلاں بزرگ اور بُت کو پکارا تھا تو یہ دُعا اُس نے منظور کی تھی لیکن اس آیت میں اس کی تردید کی گئی ہے۔ بلکہ اَصل حقیقت یہ ہے کہ اِنسان حالت اِضطراری میں جب اپنے باطل معبود کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اِضطراری حالت پر تَرس کھا کر اس کا مقصد پُورا کر دیتے ہیں، پکارنے والا خواہ کسی اور ہی کو پکار تا رہے لیکن مضطر کی مُصیبت اللہ ہی دُور کر سکتا ہے۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ جو حالتِ اضطراری میں فریاد سُن کر کافر اور مومن کی مصیبت دُور کر دیتا ہے اُسے اِلٰہ کہتے ہیں۔ اَب کلمہ کے معنی میں تدبُّر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو اِلٰہ کیوں کہا گیا ہے۔ اور کلمہِ طیبہ میں اِسم اِلٰہ کو لانے کا کیا مقصد ہے۔

توحید کا خلاصہ

کلمہ طیبہ کے مفہوم سے معلوم ہُوا کہ اُلوہیت کے لائق وہ ذات ہو سکتی ہے جو تمام کائنات کے نظام اور مخلوق کے نفع اور ضَرر پر پُوری قدرت رکھتی ہو۔ جس کا وُجُود خود تغیّر پذیر ہو اور فناء کے اَثرات کو قبول کر سکتا ہو وہ کائنات کے نظام کو کیسے چلا سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو فرمایا ہے، آپ ﷺ کو جب بھی کسی مصیبت کا سامنا آپڑے۔

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ

" تو آپ(ﷺ)ایسی ذات پر توکّل کیجئے جس کی ذات نہ فناء کی زَد میں آسکتی ہے اور نہ تغیّر پذیر ہو سکتی ہے۔" ﴿سورۃ الفرقان: 58﴾

اِس سے معلوم ہُوا (اِلٰہ) حاجَت رَوا اور مشکل کُشا وہ ہو سکتا ہے جسے مَوت نہ آتی ہو۔ آپ کی نِگاہ میں کوئی مخلوق ،مقرّب ہستی ، بزرگ ، یا رسول ایسا ہے جو فناء اور موت کے قانون سے باہر ہو۔ اِس سے معلوم ہُوا کہ جو فانی اور غیر فانی ہستی کے درمیان فَرق نہیں کر سکتا ،وہ توحید اور شِرک کے درمیان تا اَبد اِمتیاز نہیں کر سکتا۔ اس کا بنیادی حل یہ ہے کہ پہلے صِدقِ دِل سے کلمہ طیبہ کا مفہوم سمجھ لے،اس کے بعد اسے اللہ ﷻ کی صحیح معرفت حاصل ہو جائے گی۔

عجب نہیں کہ خُدا تک تری رسائی ہو
تری نِگاہ سے پوشیدہ آدمی کا مقام

شاہ ابوالخیر اسدی

۱۵، رمضانُ المبارک ۱۳۹۸

۱۷ ، اگست ۱۹۷۸

تصانیف علّامہ محمد ابوالخیر شاہ اسدی علیہ الرحمۃ

مقامِ نُبوت کی عجمی تعبیر
فلسفہ توحید کی عجمی تشکیل
وحدۃُ الوُجُود کے بنیادی نقائص
باطنی رِفض اور وحدۃُ الوُجُود
مقامِ نبوت اور اِبن عربی
اِبن عربی کے نظریات کا ضَرر
بروزی نبوت
تکوینی نبوت کا عصرِ حاضر میں مفہوم
سحرِ نبوی
سیرۃ الحسنیٰ
حکمت کی باتیں
بالغ مسلمان پر کلمہ کی فرضیت
مسلمانوں کا رسمی اسلام
سوشلسٹ عُلَماء کا کردار
کیمیونزم اور مذہب

اُصول القرآن
پہلا پارہ ترجمہ وحاشیہ
اُم الکتاب میں اللہ کا تعارف
فلسفہ الٰہیات کے عجمی تصورات
عصری دہریت کے دلائل کا جواب
تقدیر کا عقیدہ
قرآن میں نزولِ مسیح کا حتمی فیصلہ
اِسلام میں نزول مسیح کا تصور
نزول کے بعد حضرت عیسٰی کا مقام رسالت
نزولِ مسیح کا معکوس عقیدہ
پرویزی مسلک میں خُدا کا تصور
میراث میں عدل
تفہیم الاِلٰہ (عربی شاعری)
جواہر المنتشرہ
اللہ کے نُور سے نُور کا ظہور

اسلام کے پردے میں اِلحاد کی اشاعت

عقائد کی جن بنیادوں پر نجات کا مدار ہے عصر حاضر میں ان کی اس طرح تحریف کر دی گئی ہے کہ شعائرِ اسلامیہ تو ایک طرف رہے، کلمہ شہادۃ کی بنیاد بھی متنزلزل ہو گئی انکی تلخیص یہ ہے:-

۱۔ توحید: اللہ کی صفات کے تکوینی رابطے کو مظاہر الٰہیہ کی اصطلاح میں تبدیل کر کے قدسی نُفوس کو اُلوہی اختیار کا مالک بنا دیا گیا ہے۔ موجودہ دور کی اصنام پرستی یہی ہے۔

۲۔ نُبوۃ: فلسفہ اَصالت کے تحت نبُوۃ کے تشریعی مقام کو مصدر کائنات کی اصطلاح میں تبدیل کر کے کائنات کے ظہور و بقا کو حقیقۃ محمدی کا محتاج کر دیا گیا ہے۔

۳۔ ختم نبوۃ: آخری نبی ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ تا قیامت سارے انسانوں کو ہدایت کے لیے کسی دوسرے نبی کی ضرورت نہ رہے، لیکن ختم نبوت کے مفہوم کو اس طرح تبدیل کر دیا گیا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے اجرائے نبوت کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

۴۔ امامت: رِفض کی بنیاد نظریہ امامت پر قائم ہے لیکن امامت کے مفہوم کو تکوینی امامت کی اصطلاح میں تبدیل کر دیا گیا ہے تا کہ ساری کائنات پر ائمہ کا اقتدار ثابت ہو سکے۔

۵۔ ولایت: ولایت کا مفہوم خدا کی دوستی اور اس کی اطاعت میں محدود تھا لیکن اس دوستی کو تقرب کے حُلول میں تبدیل کر کے اولیاء کرام کو تکوینی تصُرّف کا مالک بنا دیا گیا ہے۔

ہمارے مسلک کا بنیادی مشن یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کو ایسے عجمی نظریات سے بچا کر اسلام کے صحیح راستے سے روشناس کرایا جائے۔ جو نُفوس اپنی عاقبت سنوارنا چاہتے ہیں امید ہے کہ وہ ہماری اس دعوت کو ضرور قبول فرمائیں گے۔

IDARAH-ISLAMIA
ادارہ اسلامیہ مخدوم رشید ملتان
0331-6444110